حرف آغاز

کلیدی خطاب

سید جلال الدین عمری

جماعت اسلامی ہند کے کل ہند اجتماع ارکان منعقدہ ۴-۷/نومبر ۲۰۱۰ء کے افتتاحی اجلاس میں مولانا سید جلال الدین عمری امیر جماعت اسلامی ہند و صدر ادارۂ تحقیق نے 'ہندوستانی سماج اور تحریک اسلامی ہند' کے موضوع پر کلیدی خطاب فرمایا تھا۔ اس وقت اگرچہ اصل مخاطب جماعت اسلامی ہند کے ارکان تھے، لیکن مولانا موصوف نے اس خطاب میں جن امور کی جانب توجہ دلائی ہے وہ امتِ مسلمہ کے تمام افراد کے لیے اہمیت کے حامل ہیں۔ اسی عمومی افادیت کی بنا پر اسے یہاں شائع کیا جارہا ہے۔ (معاون مدیر)

بعد حمد وصلاۃ!

إِنَّ الدِّيْنَ عِندَ اللّٰهِ الإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَآءَ هُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاً بَيْنَهُمْ وَمَن يَكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهِ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (آل عمران:۱۹)

(اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔ اس دین سے ہٹ کر جو مختلف طریقے ان لوگوں نے اختیار کیے جنھیں کتاب دی گئی تھی، ان کے اس طرز عمل کی کوئی وجہ اس کے سوا نہ تھی کہ انھوں نے علم آجانے کے بعد آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنے کے لیے ایسا کیا اور جو کوئی اللہ کے احکام و ہدایات کی اطاعت سے انکار کرے، اللہ کو اس سے حساب لیتے کچھ دیر نہیں لگتی۔)

مکرم ومحترم ارکان جماعت مرد وخواتین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ارکان جماعت کا کل ہند اجتماع ۲۵/تا ۲۸/اکتوبر ۲۰۰۲ء کو مرکز کے اسی کیمپس میں منعقد ہوا تھا۔ اس کے آٹھ برس بعد ہم ۴/تا ۷/نومبر ۲۰۱۰ء اسی کیمپس میں دوبارہ جمع ہیں۔ آپ حضرات نے دہلی سے نسبتاً متصل علاقوں سے بھی اور دور دراز گوشوں سے بھی یہاں آنے کے لیے زحمت سفر برداشت کی ہے۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ آنے والے ساتھیوں میں نوجوان اور جوان سال ہم سفر ارکان بھی ہیں اور ہمارے بزرگ اور معمّر رفقاء بھی ہیں۔ آپ کا یہ سفر 'اقامت دین' ہی کا ایک حصہ ہے، جو ہمارا نصب العین ہے اور جس کے لیے ہم سعی وجہد کر رہے ہیں۔ میں آپ سب کا دل کی گہرائیوں سے خیر مقدم کرتا ہوں۔ دعا ہے کہ ہمارا یہ اجتماع اپنے مقصد میں کامیاب ہو، ہم سب ایک نئے عزم وحوصلہ کے ساتھ میدان عمل میں آگے بڑھیں اور ملک وملت کی راہ نمائی کا فرض بہتر طریقہ سے انجام دے سکیں۔

رفقائے محترم! آپ دیکھ رہے ہیں کہ دنیا نے مادی لحاظ سے غیر معمولی ترقی کی ہے اور مزید ترقی کی راہ پر گام زن ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہم ایک نئی دنیا میں رہ رہے ہیں، تعلیم وتدریس عام ہو رہی ہے، ریسرچ اور تحقیق کے نئے نئے پہلو تلاش کیے جا رہے ہیں، قدیم اور جدید معلومات تک رسائی آسان ہوگئی ہے۔

اقتصادی میدان میں تیزی سے پیش رفت جاری ہے۔ مختلف ممالک اس معاملہ میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی فکر میں ہیں۔ جو چیزیں دست یاب نہیں تھیں وہ قابل حصول ہیں۔ عیش وعشرت کے سامان کی فراوانی ہے۔ آمد ورفت کی غیر معمولی سہولتیں حاصل ہیں۔ جو سفر ہفتوں اور مہینوں میں طے ہوتے تھے وہ دنوں میں، بلکہ گھنٹوں میں طے ہوتے ہیں۔ دنیا کے کسی بھی گوشہ میں کوئی اہم واقعہ پیش آئے وہ سب کی نگاہوں میں آجاتا ہے اور اس پر بحث شروع ہو جاتی ہے۔ رسل ورسائل اور پیغام رسانی کے ذرائع اس قدر ترقی کر چکے ہیں کہ منٹوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ بات آسانی سے منتقل ہو جاتی ہے۔ ان تمام وجوہ سے دنیا ایک بستی کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ جو ممالک سائنس اور ٹکنالوجی میں جتنے آگے ہیں ان کو مادی سہولتیں بھی زیادہ حاصل ہیں

اور وہی دنیا کی قیادت بھی کر رہے ہیں۔

یہ تصویر کا ایک رخ ہے۔ دوسرا رخ یہ ہے کہ ایک طرف امریکہ اور یورپ کے بعض ممالک مادی ترقی سے چمک رہے ہیں اور اس کی چمک دمک سے نگاہیں خیرہ ہو رہی ہیں، دوسری طرف افریقی ممالک ہیں، جہاں اکثریت غربت، افلاس، مرض اور جہالت کی شکار ہے اور بنیادی ضروریات تک سے محروم ہے اور کہیں کہیں تو جانوروں کی سی زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔

آج ہر طرف انسانی حقوق کا چرچا ہے، لیکن جدھر دیکھئے، انسانی حقوق پامال ہو رہے ہیں۔ خاص طور پر اقلیتوں اور کمزور طبقات کے حقوق محفوظ نہیں ہیں۔ ہر فرد کا یہ حق سمجھا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ مساوات کا سلوک ہو اور اسے عدل و انصاف حاصل ہو۔ ریاست کی ذمہ داری قرار دی جاتی ہے کہ وہ بغیر کسی فرق و امتیاز کے مظلوم کو انصاف فراہم کرے اور ظالم کو اس کے ظلم کی سزا دے۔ اس کے لیے ہر ملک میں عدالتیں قائم ہیں، لیکن عدالتی کارروائی اتنی طویل اور پیچیدہ ہوتی ہے اور اس کے مصارف اتنے زیادہ ہیں کہ عام آدمی کے لیے حصولِ انصاف دشوار سے دشوار تر ہوگیا ہے۔ بین الاقوامی سطح پر عدل وانصاف کی نگرانی کرنے والے ادارے موجود ہیں، لیکن ان میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ ظالم اور جابر قوموں کے خلاف کوئی اقدام کریں۔

ہر طرف امن وامان کا ذکر ہے، ناجنگ معاہدے بھی موجود ہیں۔ اس کے باوجود دنیا جنگ وجدال سے محفوظ نہیں ہے۔ جنگ ظلم و جور کے خاتمہ اور حق وانصاف کے قیام کے لیے ہوسکتی ہے، لیکن یہاں امن کے نام پر کمزور قوموں کا خون بہایا جارہا ہے۔ اس کے خلاف کوئی مضبوط آواز نہیں اٹھ رہی ہے۔

ہمارا ملک بھی مادی ترقی کی راہ پر تیزی سے گام زن ہے اور ترقی پذیر ملکوں میں اسے سب سے نمایاں مقام حاصل ہے۔ لیکن یہ ایک غیر متوازن ترقی ہے۔ اس کا فائدہ شہری آبادی کو، اور وہ بھی اس کے ایک مخصوص طبقہ کو حاصل ہے۔ ملک کی زیادہ تر آبادی غربت اور افلاس کی زندگی گزار رہی ہے۔ یہاں کی 40 % آبادی کی روزانہ آمدنی بیس روپیہ سے زیادہ نہیں ہے۔ رہائش، تعلیم اور صحت جیسی بنیادی سہولتیں بھی اسے میسر نہیں ہیں۔ ان حالات میں

اسے اپنا وجود باقی رکھنا ہی مشکل ہے، وہ ترقی کے بارے میں کس طرح سوچ سکتی ہے؟

اس ملک میں مختلف مذاہب کے ماننے والے ہیں، ان کے درمیان غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، نفرت اور عداوت ہے۔ اس وجہ سے ذہنی فاصلے ہیں، انھیں سمجھنے اور دور کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں ہورہی ہے۔ ان مذاہب کے درمیان جو فرق و اختلاف ہے وہ بھی ملک کے سامنے اچھی طرح واضح نہیں ہے کہ وہ صحیح اور غلط کا فیصلہ کرسکیں۔

ہندوستان کا سماج مختلف ذاتوں اور طبقات میں منقسم ہے۔ ان میں سے بعض طبقات کو اعلیٰ وارفع اور بعض کو ادنیٰ اور پست تصور کیا جاتا ہے۔ اس عدم مساوات کو مذہبی سند بھی حاصل ہے۔ سیاسی پارٹیاں بہ ظاہر اس کے خلاف ہیں، لیکن عملاً اسے ختم کرنا نہیں چاہتیں، بلکہ اسے باقی رکھنے کی کوشش کرتی ہیں اور فائدہ اٹھارہی ہیں۔ ان کی پوری سیاست کسی نہ کسی طبقہ کی حمایت پر ہورہی ہے۔

یہاں بعض طبقات تعلیمی اور معاشی لحاظ سے مضبوط ہیں اور ملک کی زمامِ اقتدار ان ہی کے ہاتھوں میں ہے۔ ملک کے پس ماندہ طبقات کو اوپر اٹھانے اور اقتدار میں انھیں شریک کرنے کی جو چھوٹی بڑی تدبیریں کی جارہی ہیں وہ ناکافی ہیں، اس لیے ابھی وہ اقتدار سے دور ہی ہیں۔

یہاں اکثریت اور اقلیت کا فرق بھی ہے۔ دستوری لحاظ سے سب کو مساوی حقوق حاصل ہیں، لیکن عملاً یہ حقوق اقلیتوں کو پوری طرح حاصل نہیں ہیں اور وہ تعلیم اور معیشت میں پیچھے اور سیاسی لحاظ سے کم زور ہیں۔ وہ ظلم اور ناانصافی کا شکار ہوتے رہتے ہیں، ان کے ساتھ اور بھی مسائل ہیں۔

اس ملک کا بلکہ پوری دنیا کا ایک اہم مسئلہ اخلاقی زوال ہے۔ کرپشن، رشوت، خیانت اور بدعہدی کا زور ہے۔ یہاں کسی بھی شخص کو خریدا جاسکتا ہے اور پیسہ کے ذریعہ جائز اور ناجائز کام کیا اور کرایا جاسکتا ہے۔

جنسی تعلقات کو حدود کا پابند ہونا چاہیے، اس کی خلاف ورزی پہلے بھی ہوتی رہی ہے، لیکن اب مغرب کے زیر اثر جنسی آوارگی جس طرح پھیل رہی ہے وہ بہت ہی تشویش ناک ہے۔ آزادانہ جنسی تعلق میں کوئی قباحت نہیں محسوس کی جاتی، اس پر کسی قسم

کی بندش کو خلافِ فطرت تصور کیا جاتا ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ہم جنسی کی لعنت کو قانونی جواز فراہم کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔

یہ ملک سیاسی لحاظ سے سیکولر اور جمہوری ہے۔ اسی کی بنیاد پر یہاں کا اجتماعی نظام چل رہا ہے۔ قوانین وضع ہوتے ہیں اور عدالتی نظام قائم ہے۔ اسی کو مضبوط بنانے کے لیے تعلیمی ادارے کام کر رہے ہیں۔ لیکن مذہبی لحاظ سے یہاں کی اکثریت شرک اور بت پرستی میں مبتلا ہے۔ اسی کے تحت عبادات ہوتی ہیں، خوشی اور غم کے سارے رسوم انجام پاتے ہیں۔ یہاں کی تہذیب و معاشرت پر مغرب کے اثرات بھی ہیں اور وہ اپنے مضبوط مذہبی اثرات بھی رکھتی ہے۔

یہاں احیاءِ مذہب کا جذبہ بھی موجود ہے۔ ہندومت، عیسائیت، بدھ مت، جین مت اور اب تو یہودیت تک کی تبلیغ ہو رہی ہے۔ اس کے لیے اسکول، کالج اور مختلف رفاہی ادارے کام کر رہے ہیں۔

ان حالات میں ہم اقامتِ دین کا فرض انجام دے رہے ہیں۔ ہمارا ایمان و یقین ہے کہ دنیا اور آخرت میں انسان کی فلاح اسلام ہی سے وابستہ ہے۔ اسی میں اس کے دکھ درد کا علاج ہے اور اسی سے اس کے تمام مسائل حل ہوسکتے ہیں۔ اسی سے انسانوں کے درمیان فرق و امتیاز ختم ہوسکتا ہے اور ظلم کا خاتمہ اور عدل و انصاف کا قیام ممکن ہے۔ اسی سے سکون سے محروم انسان کو سکون و راحت اور آخرت کی فلاح نصیب ہوسکتی ہے۔

یہاں اس کے بعض پہلوؤں کی طرف توجہ دلانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

موجودہ دور کا اجتماعی اور سیاسی نظام سیکولرزم اور جمہوریت کی بنیاد پر قائم ہے۔ مذہب کو اجتماعی معاملات سے بے دخل کر دیا گیا ہے۔ اس رویہ کے حق میں عقل اور تجربہ کو پیش کیا جاتا ہے کہ انسانی عقل اس سے بہتر نظام تجویز نہیں کرسکتی اور مذہب دنیا کو عدل و انصاف فراہم کرنے میں ناکام ہے۔ ہمیں ثابت کرنا ہوگا کہ مسائل کے حل کے لیے عقل اور تجربہ کافی نہیں ہے۔ اس کے لیے خدا اور وحی و رسالت پر ایمان ضروری ہے۔ آخرت کا انکار ممکن نہیں ہے۔ نیکی اور بدی کا وجود، انسان کی آزادئ فکر و عمل اور عدل و انصاف اس بات کا تقاضا

کرتے ہیں کہ ایک روز انسان کے اعمال کا حساب و کتاب ہو اور اس کو اس کی جزا یا سزا ملے۔ آخرت کے انکار کے بعد انسان بے لگام ہوتا ہے۔عقیدۂ آخرت کے بغیر انسان کے اندر اعلیٰ کردار پیدا نہیں ہوتا اور اسے ملکی قانون کا پوری طرح پابند بنانا بھی دشوار ہے۔

موجودہ دور نے مادی فلسفۂ حیات کو اپنایا ہے۔اس کا پورا طرزِ حیات اسی فلسفہ کے تابع ہے۔اس کی وجہ سے اس کی نظر محدود ہے۔ وہ اپنی ذات کے ارد گرد گھومتا ہے، یا زیادہ سے زیادہ اپنا خاندان اس کے پیش نظر ہوتا ہے، جس سے اس کے مفادات وابستہ ہیں۔ وہ ملک و قوم کو بھی اپنے مفاد ہی کے پہلو سے دیکھتا ہے۔اس مفاد پرستی کے نتیجہ میں یہاں خود غرضی ہے، ظلم اور نا انصافی ہے، استحصال ہے، جرائم ہیں اور جنسی آوارگی ہے۔ معاملات میں صداقت و راست بازی، تعلقات میں محبت، ہم دردی، ایثار اور قربانی جیسی اعلیٰ اخلاقی خوبیاں ختم ہو رہی ہیں۔اس بات کو واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ اسلام انسان کو مفاد پرست بننے سے روکتا ہے، اس کے اندر اعلیٰ کردار پیدا کرتا ہے اور اسے عدل و انصاف اور قانون کا پابند بناتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اس سلسلے میں جماعت کے پاس بڑا قیمتی لٹریچر موجود ہے۔ جماعت سے باہر کے حلقوں میں بھی اس پر بڑی قابل قدر کوششیں ہوئی ہیں۔موجودہ الحاد اور بے دینی کے مقابلہ کے لیے اس سب سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ جدید حالات کے پس منظر میں اس علمی کام کو اور آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔ اس طرف ہماری توجہ ہونی چاہیے۔

دعوتِ دین، شہادت علی الناس اور اقامتِ دین پوری امتِ مسلمہ کی ذمہ داری ہے۔ جماعت اسلامی اس سلسلہ میں اپنا کردار ادا کر رہی ہے۔ وہ اپنی جدوجہد میں پوری امت کو شریک کرنا چاہتی ہے۔ یہ اس کی اصلاحی کوشش کا اہم پہلو ہے۔اس کے لیے اس کی جدوجہد جاری ہے۔ اس کے اثرات کہیں کہیں محسوس ہو رہے ہیں۔امت کے اندر اس کا شعور بیدار ہو رہا ہے۔مختلف افراد، مدارس اور حلقے اس طرف متوجہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کوششوں کو کام یاب کرے۔

ایک سیکولر ملک میں پندرہ کروڑ کی امتِ مسلمہ بعض مسائل سے بھی دو چار ہے۔

اس کا تعلق اس کے وجود و بقا سے بھی ہے اور اپنی دینی شناخت کے ساتھ باعزت زندگی گزارنے سے بھی۔ ان مسائل میں جان و مال کی حفاظت ،فسادات کی روک تھام، غربت و افلاس اور جہالت کا ازالہ، دنیوی تعلیم کے ساتھ دینی تربیت کا نظم ، مساجد اور مدارس کا قیام، پرسنل لا میں عدمِ مداخلت ، اوقاف کا تحفظ اور ان کا صحیح استعمال، عدل و انصاف کا حصول اور ظلم و نا انصافی کے خلاف آواز بلند کرنا اور اس کے لیے چارہ جوئی جیسے مسائل شامل ہیں۔ ان مسائل کی طرف جماعت کی شروع ہی سے توجہ رہی ہے۔ اس کے لیے وہ سیاسی سطح پر مختلف تدابیر اختیار کرتی رہی ہے۔ ان تجربات کی روشنی میں وہ مزید مؤثر اقدامات کرنا چاہتی ہے۔

اسلام اللہ کا دین ہے۔ اللہ تعالیٰ ساری دنیا کا خالق و مالک ہے ، وہی ہماری عبادت و اطاعت کا مستحق ہے۔ انسان کے لیے اس کے سوا نہ تو کسی کے سامنے سر جھکانا جائز ہے اور نہ اس کی ہدایت سے بے نیاز کسی کی اطاعت ہوسکتی ہے۔ اللہ کا یہی دین اس کے پیغمبروں اور اس کے نیک بندوں کے ذریعہ دنیا کو ملتا رہا ہے۔ آج بھی دنیا کو اس کی ضرورت ہے۔ کسی بھی دور کا انسان اس سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ جماعت اپنے یومِ تاسیس سے اسی حقیقت کو واضح کرتی آرہی ہے۔ اس نے بتایا کہ اسلام چند عقائد و عبادات ہی کا نام نہیں ہے، بلکہ ایک نظام حیات ہے، جس کا تعلق پوری زندگی سے ہے۔ جماعت اسلامی کی یہی شناخت ہے کہ وہ اسلام کو نظام حیات کی حیثیت سے پیش کرتی ہے۔

ہم جب کہتے ہیں کہ اللہ کے دین کا تعلق پوری زندگی سے ہے، اس کے عقائد و عبادات ،اخلاق و قانون ، معیشت و معاشرت اور سیاست سب اس کے دائرے میں آتے ہیں تو بہت بڑا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں زبردست تبدیلی کی دعوت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان عقیدۂ توحید قبول کرے اور اپنی زندگی میں خدا پرستی کی راہ اختیار کرے۔ اس کے مطابق اس کی عبادات ہوں، اخلاقی قدریں اور معاشرت و معیشت اس سے ہم آہنگ ہو اور نظام سیاست اس کے تابع ہو۔ یہ دراصل ’اُدْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً‘ کی دعوت ہے۔

ہم اسلام کو موجودہ نظامِ حیات کے متبادل کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ ہماری دعوتی و تعلیمی کوششوں میں یہی تصور کار فرما ہوتا ہے اور اسی کے لیے ہم خدمتِ خلق کا کام انجام دیتے ہیں۔ ہماری جو مہمات ہوتی ہیں ان کے پیچھے بھی یہی مقصد ہوتا ہے کہ اسلام ایک متبادل کی حیثیت سے دنیا کے سامنے آئے۔

ان تمام کوششوں کے باوجود یہ احساس ہو رہا ہے کہ اسلام کو اس ملک اور پوری نوع انسانی کے سامنے متبادل کے طور پر پیش کرنے کے لیے ابھی بہت جدو جہد اور تگ و دو کرنی ہوگی۔ یہ بات کھل کر کہنی چاہیے اور اس کے جو تقاضے ہیں وہ پورے ہونے چاہئیں۔

جماعت اپنے تمام کاموں میں اخلاق اور قانون کی پابند ہے اور پر امن ذرائع اختیار کرتی ہے۔اس کی سرگرمیاں ملک کے سامنے ہیں۔اس کا طریقۂ کار بالکل کھلا ہے۔ وہ نہ تو خفیہ تدابیر اختیار کرتی ہے اور نہ مختلف طبقات کے درمیان نفرت اور عداوت کے جذبات ابھارتی ہے، بلکہ انسانی جان و مال اور عزت و آبرو کے احترام کی تعلیم دیتی ہے، محبت، ہمدردی اور نصح و خیر خواہی کے ساتھ اللہ کا دین ان تک پہنچاتی ہے۔

اس ملک میں جمہوریت ہے، جو یہ مواقع فراہم کرتی ہے کہ اسلام کا ہم بھرپور تعارف کرائیں اور بتائیں کہ اسی میں اس ملک کی اور پورے عالم کی فلاح ہے۔اس کے تقاضے پورے کریں اور اس راہ میں جو رکاوٹیں ہیں انھیں دور کرنے کی کوشش جاری رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں کامیابی عطا فرمائے۔

دعوت و تربیت - اسلام کا نقطۂ نظر

مولانا سید جلال الدین عمری

یہ کتاب دو طرح کے مضامین پر مشتمل ہے۔ کچھ مضامین دعوتی نوعیت کے ہیں، جن میں پورے زور اور قوت کے ساتھ امت کو فریضۂ دعوتِ دین کی ادائیگی کی جانب توجہ دلائی گئی ہے۔ کچھ مضامین تربیتی اور اصلاحی نوعیت کے ہیں، جن میں امت کو اصلاح احوال کی جانب متوجہ کیا گیا ہے اور اس کی تدابیر بتائی گئی ہیں۔صفحات: ۱۳۶، قیمت-/۵۰ روپے

ملنے کے پتے ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳ علی گڑھ-۱
مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دعوت نگر، ابو الفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵